کوئی بھی پرندہ کسی اور پرندے کے چھوڑے ہوئے رنگ راستے میں نہ داخل ہوتا نہ ا
عبور کر کے جاتا۔ اُن کے الگ الگ راستے فضا میں رنگین دُھول صورت دکھتے تھے۔
عدم کی چپ تھی ہر طرف ایک خاموشی تھی جو جنگل پر تیرتی تھی پھر کونپلوں کے پھوٹنے
سرسراہٹ سنائی دینے لگی۔ پرندے جہاں کہیں تھے اُس ایک لمحے کے لیے جب سناٹا
وہیں فضا میں اپنی اڑان میں منجمد ہو گئے اور پھر اگلے ہی لمحے رُکے ہوئے پر حرکت میں
گئے۔ وہ اتنے چھوٹے اور مختصر تھے کہ نظروں کا دھوکہ لگتے تھے، بہت دور لگتے تھے اُ
آنکھوں کے سامنے سے گذرتے تھے اور اپنے رنگوں کی دُھول چھوڑتے جاتے تھے
کونپلیں چھوٹی ٹہنیوں میں تبدیل ہوتیں اور پھر اُن میں سے سفید ذرّے سے پھوٹنے
دیکھتے دیکھتے شگوفے بن جاتے۔ یہ سارے کے سارے سفید تھے اور اُن پر بھی ہوا
معلق کچے رنگ اثر کر رہے تھے۔ اُن کے ذرّے سفیدی پر تہہ در تہہ بیٹھتے تھے ۔۔۔ ی
کہیں ایک پھونس کا جھونپڑا تھا، ایک تالاب، ناریل کے درخت اور قناعت اور ٹھہراؤ۔
وہ بھی وہیں تھی ۔۔۔ شوبھا اُسے دیکھ سکتی تھی لیکن اپنے سے دور ہوتے دیکھ سکتی تھی
اُس کے لانبے بال اُس کی پیٹھ پر سے ایک جھٹکے سے اُٹھتے تھے اور بیٹھ جاتے تھے اور
کی ساڑھی کا پلّو راستوں میں سے گذرتا رنگ جمع کرتا جاتا تھا ۔۔۔

ایک شگوفہ ملیر کینٹ میں واقعی تیسری بیرک میں بیٹھے مردان اور شوبھا کے
سامنے آ گرا ۔۔۔ اُس کی سفیدی پر رنگوں کے ذرّے ایسے تھے کہ شوبھا کے اُٹھانے پر
کی اُنگلیوں کی پوریں رنگ آلود ہو گئیں ۔۔۔

بابا مردان کی موجودگی میں اُسے کبھی بھی کسی اور سائے یا اطمینان کی ضرور
نہیں پڑی تھی ۔۔۔ وہ باغ بہاراں جو تھا جس میں وہ سدا رہتی تھی ۔۔۔ صرف ایک بار
کے بدن نے زور دے کر کہا تھا کہ مجھے ماں چاہئے لیکن اُس ایک بار کے بعد وہ پھر
بہاراں میں چلی گئی تھی۔ یہ تب ہوا تھا جب اُس کے بچپن کا اختتام ہوا تھا اور وہ جان
تھی کہ اس کے بیچ اس قدر بے چینی اور رطوبت کیوں ہے اور آج ہی کہاں سے جنم
ہے۔ صرف تب اُس نے ماں کی موجودگی کی آرزو کی تھی لیکن آج ۔۔۔ آج وہ بھی
ہوئی تھی کہ اس نے ستار نقوی کے زرد تالو اور فرائی انڈے ایسی ٹھہری ہوئی لا
آنکھوں کو دیکھا تھا۔ اور آج دوسری بار ماں کے ماحول میں سانس لینے کی خواہش کی

"آنٹی بابر بھی تو آپ کو وہیں ملی تھیں؟"

"ہاں۔ وہیں۔"

"اور آپا عارفین بھی —"

مردان نے لب چبا کر سر ہلایا۔

"تو ان میں سے کون تھی بابا — آپا نازنین یا آپا عارفین —"

اس نے کچھ نہ کہا صرف اسے ایک نظر دیکھا کہ یہ بے سود تذکرے کیوں کرتی

"پھر؟" شوبھا نے اپنے آپ پر رُکی مردان کی آنکھوں میں دیکھا۔

"پھر کیا؟ — پھر کچھ بھی نہیں — بس تمہاری ماں بھی وہیں رہتی تھی — بڑی احتشام الدین کی بیٹی... اور جب وہ چلتی تھی تو اُس کے بال اُس کی پیٹھ پر ایک جھٹکے سے اُٹھتے اور بیٹھ جاتے تھے اور اس کی ساڑھی کا پلّو —"

"پرندوں کے دُھول راستوں میں گذرتا رنگ جمع کرتا جاتا تھا —"

مردان کو ایک صدمہ سا ہوا۔ شوبھا اِس فریب اِس راز سے آگاہ نہیں تھی۔ یہ سب کچھ تو شائد اُس کی نظر میں تھا تو اُس نے کیسے جان لیا "ہاؤ ڈو یُو نو؟"

"آئی نو بابا — میں نے اُسے دیکھا ہے؟"

"کب؟"

"ابھی ابھی —"

"نہیں —"

"ہاں بابا — " اُس نے اپنی بھنچی ہوئی مٹھیاں مردان کی آنکھوں کے سامنے کیں اور انہیں آہستہ آہستہ جیسے اُن کے اندر ایک راز ہو کھول دیا... پوروں پر رنگوں کے ذرّے چپکے ہوئے تھے "آپ دیکھ رہے ہیں بابا؟"

"میں کچھ بھی نہیں دیکھ رہا سوائے تمہاری اُنگلیوں کے...." اُس نے نظریں پرے کرلیں اپنی حیرت کو چھپانے کے لیے...

شوبھا نے اُنگلیوں کو اُسی آہستگی سے بند کیا اور کہنے لگی "کھیل ختم —"

مردان اپنے ہونٹوں پر ہتھیلی جمائے فرش کو دیکھتا رہا اور شوبھا چپ بیٹھی اُسے تکتی رہی اور اُسے اُس کی آنکھوں میں وہی رنگ دکھائی دیے جو اُس کے پوروں پر تھے.. مردان نے سر اُٹھایا اور شوبھا کو ناراضگی سے گھورا، سر ہلایا اور بیٹ مین بشیر کو "بابا.. بلیک

شیپ" کہہ کر زور سے پکارا۔

بلیک شیپ بابا ظاہر ہے بیرک سے ٹیک لگائے اسی آواز کا منتظر تھا چنانچہ شتابی
اندر آ گیا اپنی جھالر کھجاتا ہوا اور شن ہوا اور سلیوٹ کیا اور پھر — "یس سر۔ یس
صاحب۔"

"شوبھا کی طرف غور سے دیکھو —" آرڈر ملا۔

بشیر کو مردان کی اس قسم کی مخبوط الحواس حرکتیں بہت مرغوب تھیں اور وہ انہیں
انتہائی سنجیدگی سے قبول کرتا تھا چنانچہ وہ باقاعدہ ایک پُروقار سنجیدگی سے شوبھا کی طرف
آیا اور اُسے کپتان صاحب کے حکم کے مطابق جھک کر نہایت باریک بینی سے دیکھنے لگا۔ پھ
اُس نے سر اُٹھایا "کپتان صاحب کتنی دیر غور سے دیکھوں؟"

"کافی ہے —"

بشیر پیچھے ہٹ گیا۔

"اب یہ بتاؤ کہ شوبھا میری بیٹی لگتی ہے؟"

"یس سر —" اُس نے سیدھے ہو کر رپورٹ دی "وہی ناک نقشہ، وہی رنگ
رُوپ... اِس کو چھپائیں تو آپ کو دیکھیں.. آپ کو چھپائیں تو اِس کو دیکھیں —
ہوبہو۔"

"نہیں۔ ایسے نہیں۔ ناک نقشہ نہیں — یہاں" مردان نے اپنی کنپٹی پر رکھ کر
اُنگلی کو گھمایا "میں جانتا ہوں اور تم بھی جانتے ہو کہ میں... ذرا ڈھیلا ہو چکا ہوں۔ مجھے ڈر
ہے کہ میری ڈارلنگ بیٹی پر بھی کچھ اثر ہو چکا ہے۔"

"نہیں جی۔" بابا بشیر نے فوری طور پر سر ہلایا "ایسی کوئی بات نہیں۔"

"میرا خیال ہے ایسی بات ہے — یہ ابھی ابھی کہہ رہی تھی کہ اس نے ابھی ابھی
اپنی ماں کو دیکھا ہے حالانکہ یہ یہاں میرے پاس بیٹھی ہوئی تھی... میرے سامنے"

"ماں تو کسی وقت بھی دیکھی جا سکتی ہے کپتان صاحب —"

مردان اگرچہ بیٹ مین بشیر کو ہی دیکھ رہا تھا لیکن وہ چونکا اور اُسے ذرا آنکھیں تنگ
کر دیکھا۔ اُسے توقع نہ تھی کہ وہ اُس سطح پر بات کرے گا جس پر پہنچنا قدرے محال ہوتا
ہے "اچھا...."

"ہاں جی — یہ تو جوان جہان ہیں خیر سے — میری بے بے جی کو مرے ہوئے تو

نہیں کتنے برس ہو گئے۔ آپ اُتنے کے نہیں جتنے برس ہو گئے اور پھر بھی — میرا جی چاہتا ہے میں انہیں دیکھ لیتا ہوں۔ اس میں اچنبھے کی بات تو نہیں کپتان صاحب"

"تم چلو —"

"یس سر —" وہ فوراً کمرے سے نکل گیا۔

"آپ کو یقین نہیں تھا؟"

"مجھے یقین تھا لیکن بے یقینی والا یقین تھا —"

"اور وہ کیا ہوتا ہے براہ کرم آگاہ کیجئے —"

"جو تم ہو — وہ — تم بھی ایک بے یقینی والا یقین ہو — کون ہو گا اس زمین کے سامنے ایسی بیٹی ہو جس نے ابھی ابھی ماں کو دیکھا ہے... جو نہیں ہے اور اُس نے کبھی نہیں دیکھی.. اور وہ باپ کو دیکھ ہی نہیں رہی تھی — جو ہے — میں بہت ناز کرتا ہوں اپنے نصیب پر جس میں تم آئیں —"

"اوہ جانے دیں بابا —" شوبھا کو کبھی بھی مردان کی اتنی بے وجہ اور بے بہا محبت کی عادت نہ ہوئی اور اُس کے دل سے ستار نقوی کی موت کا تھوڑا سا بوجھ کم ہوا اور اُس نے صبح کے بعد پہلی بار اپنے بالوں پر ہتھیلی چلا کر انہیں سنوارا۔

"تمہارے لیے ایک سرپرائز ہے شوبھا —" لہجے میں رکاوٹ تھی اور جھجک تھی اور شائد شرمندگی بھی.... "ذرا میرے ساتھ باہر آؤ۔"

ملیر کینٹ کی بیرک نمبر دو جس کی جھریوں میں سے ایک آنکھ صرف یہ دیکھ سکتی تھی کہ اندر پرانے گرینڈ فادر کلاک ہیں اور وہ بند پڑے ہیں اور پتہ نہیں کونسے وقت میں وہ تھم گئے ہیں اور فرش پر سمایا کلہوڑہ خاندان کی قبروں کے شاندار تعویز اور بیل بوٹوں والے پتھروں کی سلیں پڑی ہیں.... ڈھلتی دھوپ والی زردی ایسے پتھر.. سپاہی، گھوڑے، درخت اور پھول پتے.. اور سب کچھ پتھرایا ہوا — یہاں ایک دروازہ بھی تھا اس کا کبھی شائبہ بھی نہ ہوا کہ وہ وہاں ہو سکتا ہے اور اسی دروازے کو مردان نے کھولا تو اندر پڑے، دھول اور نمی کے موسم میں ساکت پڑے گرینڈ فادر کلاک اور قبروں کے سنگی تعویز یکدم اندر داخل ہونے والی سورج کی سفید توانائی سے چندھیائے اور اُن میں سمٹی سہمی ہوئی دو عورتوں نے ساڑھیوں کے پلّو اپنے چہروں پر کھینچ لئے.... شوبھا نے انہیں

دیکھا اور پھر فوراً مردان کی طرف نگاہ کی۔

"یہ یہاں بہت دنوں سے ہیں۔"

"کون ہیں؟"

عورتوں نے دونوں کی موجودگی محسوس کی لیکن تعویزوں کی طرح پتھرائی پڑی رہیں۔

"شہر میں پکڑ دھکڑ ہو رہی ہے — ناجائز طور پر پاکستان میں داخل ہونے والے غیرملکیوں کو گرفتار کر کے ڈیپورٹ کیا جا رہا ہے —"

"یہ کون ہیں؟"

"بنگالی ہیں —"

شوبھا کے کلیجے پر جیسے ایک ہاتھ پڑا ہو۔ "تو... تو یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

"سونار بنگلہ میں ہر شے جو چمکتی ہے سونار نہیں ہے — اس کی — جو ساڑھی کے پلّو کو منہ میں چبا رہی ہے دو بیٹیاں تھیں۔ اُن میں سے ایک کو ایجنٹس نے ایک سندھی وڈیرے کو فروخت کر دیا.. یہ اس میں بھی خوش تھی کہ اُسے وہاں لباس، خوراک اور چھت تو ملے گی۔ پھر پولیس ایکشن شروع ہو گیا۔ یہ لیاری کے نالے کے پل کے نیچے ایک گاربیج ڈمپ میں رہتی تھیں، اُسی کو کرید کرید کر کچھ کھانے کو تلاش کر لیتی تھیں۔ یہ وہاں بہت دنوں سے تھیں... خوف سے، ہراساں ہو کر، سہمی ہوئی یہ وہاں تھیں — یہ اپنے دیس میں چھپتی پھرتی ہیں —"

شوبھا اُن کے قریب ہوئی — وہ اور سمٹ گئیں بن دیکھے کہ کون آیا ہے کون قریب ہے — ایک گرینڈ فادر کی چابی جو پتہ نہیں کن نامعلوم وجوہات کی بنا پر اَن وائنڈ نہیں ہوئی تھی.. اب ہوئی اور نمی سے زنگ آلود پرزے ایک دوسرے کے ساتھ گھسٹ گھسٹ کر وقت کے دھارے میں شامل ہوئے اور ٹن ٹن منادی دینے لگے۔ سمّا اور کلھوڑہ خاندان کے تدفینی پتھروں میں سہمی ہوئی عورتوں میں سہم اور آ گیا۔ شوبھا نے گھبرا کر چاروں طرف نظر دوڑائی کہ یہ کس کا وقت آ پہنچا ہے اور کونسا گھڑیال منادی دے رہا ہے۔ لیکن سارے کلاک بظاہر ایک جیسے تھے اور اُن میں سے کوئی بھی یہ ظاہر نہیں کرتا تھا کہ وقت اُس کے ہاں رواں ہوا ہے... شائد اُن میں سے کوئی بھی نہ تھا.. ایک عورت نے سر اُٹھا کر اوپر دیکھا.. ساڑھی کا پلّو چہرے سے کھسکا... شوبھا پیچھے ہٹ گئی... اُس کا پلّو پر دندانا

راستوں میں سے گذرتا رنگ جمع کرتا جاتا تھا اور جب وہ چلتی تھی تو اُس کے بال...
ے پیچھے ہٹ گئی اور اس کے ساتھ ہی وقت پھر تھم گیا... گھڑیال نے جو کچھ کہنا تھا کہا اور
ہوش ہو گیا۔

"عارفین بی بی آئی ہیں" بیٹ مین بشیر اُن کے عقب میں کھڑا تھا۔

"عارفین؟" مردان پلٹا۔

"یس سر —" جو سلیوٹ وہ بھولا ہوا تھا وہ کیا اور کہنے لگا "بی بی ٹیکسی پر آئی ہیں
ر اُن کے پاس ڈرائیور کو ادائیگی کے لیے رقم بھی نہیں تھی... اور وہ بہت کانپ رہی
ہا سر —"

"واقعی عارفین ہے؟"

"جی سر —"

"یہ تو نہیں ہو سکتا... وہ تو آج تک اپنے گھر سے باہر نہیں نکلیں.. یہ کیسے ہو سکتا
ے —"

"ہاں — یہ تو بالکل نہیں ہو سکتا... اور اگر وہی ہے تو کچھ ہوا ہے — کچھ
ے —"

ڈیفنس کے اُس مینشن نما گھر کے پورچ میں جسے باہر کی دیوار کے ساتھ بلند ہوتے
ابز کٹاؤ والے پتوں کے ناریل درختوں کی وجہ سے ناریل والا گھر کہا جاتا تھا اب بھی —
ر آج بھی — جب کہ عارفین ایک گھیرے میں آ جانے والے جانور کی طرح حواس
ہ جھکتی ہوئی اندر آئی تھی اور اُس کے ہمراہ شوبھا اور مردان کے وجود آئے تھے قدیم
لیکن تقریباً شو رُوم کنڈیشن کی دو کاریں آگے پیچھے اینٹوں کے چبوتروں پر پالش شدہ
عرصے سے Rest in Peace کر رہی تھیں۔

اندر بلند چھت سے بظاہر ایک کمزور زنجیر سے لٹکتے فانوس کے صرف چار بلب
ُن تھے بقیہ بجلی بچانے کی غرض سے اُتار لیے گئے تھے اور ڈبوں میں محفوظ کر لیے گئے
ہاں فانوس کے نیچے آرام کرسی میں آنٹی بابر Rest in Peace کر رہی تھیں۔

دوہرے پردے کھنچے ہوئے تھے۔

دو صوفوں پر سفید کور نہیں تھے اور یہی ایک اشارہ تھا کہ آپ صرف ان پر بیٹھ

سکتے ہیں- شوبھا مردان کے بازو کا سہارا لے کر ایک صوفے میں گری اور وہ اُس کے ہ ایک تسلی بھرا پیار دے کر دوسرے صوفے پر جا بیٹھا۔

عارفین اُن سے پرے ہو کر پہلی منزل کے مرکزی دروازے میں سے نکلتے ہو قوسوں کی شکل کے بائیں زینے کی آخری سیڑھی پر کھڑی ہو کر ایک مجسّے کی طرح ساکت ہو گئی-

شائد وہ اونگھ رہی تھیں- دیکھنے میں ایسا ہی لگتا تھا- لیکن ایک فرق تھا۔ خراٹے نہیں لے رہی تھیں-

ہال کی چھت سے اُترتے نیم اندھیرے میں فانوس کے چار بلبوں، کھنچے ہو پردوں، سفید کورز سے ڈھانپے ہوئے صوفوں، لوئی سوئم کرسیوں اور بدخشانی قالینوں آس پاس ایک بُو تھی جسے صرف وہ جانتے تھے جو موت کے فوراً بعد ڈھیلے پڑتے اعضائ سے اخراج کی بُو کو جانتے تھے- وہ یقیناً مر چکی تھیں-

شوبھا کے لیے ستار نقوی کے بعد آج ہی کے دن یہ موت One death too many تھی اور وہ بہت زرد ہو رہی تھی — یہ حواس باختہ عورت اُسے ماؤں سے بڑھ کر محبوب رکھتی ہے یا عینک کے دیوار شیشوں کے پیچھے جو آنکھیں روپوش ہیں اُن میں شوبھا کے لیے ایک ایسی ناپسندیدگی ہے جو نفرت کو اپنے دماغ سے دھکیلنے کی کوشش میں جنم لیتی ہے- انہوں نے بہت کچھ دیکھا ہوا تھا — بابا نے اُسے بہت کچھ بتایا ہوا تھا۔ عارفین اور نازنین کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا وہ اُس سے کسی حد تک آگاہ تھیں- آنٹی بابر جب بھی اُسے دیکھتیں یا پردہ پوش شیشوں میں شائبہ ہوتا کہ وہ اُس کی طرف دیکھ رہی ہیں تو وہ ایک انجانے احساسِ جُرم کی کسک محسوس کرتی — صرف اس لیے کہ اُس کے بابا نے اُسے بتایا تھا کہ وہ بنگالی ہے- اور صرف اس لیے کہ عارفین اور نازنین کے ساتھ جو کچھ ہوا... بنگالیوں نے کیا — تبھی اُسے شک تھا کہ آنٹی بابر اُسے دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتیں اور وہ اپنے وسیع تن و توش کے فساد کے پیچھے اپنی نفرت کو پوشیدہ رکھتی ہیں-

"I did not know what to do — " عارفین، زینے کی آخری سیڑھی پر کھڑی عارفین نے اپنے آپ سے کہا-

مردان اُٹھ کر اُس کے قریب گیا-

وہ اُسی انداز اور جھجک میں اُس کے قریب گیا جیسے آنٹی بابر کے گھر میں برپا کسی بابا کی ہنگامہ خیزی کے دوران وہ چپکے سے اُٹھ کر اُس کے قریب جایا کرتا تھا اور ہمیشہ کہتا "میرا نام کیپٹن مردان علی ہے —" اور عارفین کا جواب کبھی نہ بدلتا — "یقیناً آپ ..." اور اس کے بعد اُس کے ہونٹ ایک ناقابل فہم جنسی آہستگی سے اُس کے سفید ...وں سے ہٹتے جاتے اور وہ بالکل خالی الذہن ہو کر مسحوریت میں مبتلا اُسے دیکھتا چلا جاتا۔

"عارفین... حوصلہ کرو۔ Its all right"

"— My mother is dead and you say its all right" وہ اُسے ایک ...ن کی طرح دیکھنے لگی...

"نہیں — میں — نازنین کہاں ہے؟"

"اوہ مائی گاڈ... اُسے کون بتائے گا —"

مردان نے منہ کے کناروں کو گیلے کرتے ہوئے لعاب کو پونچھا — "وہ نہیں ...ی؟"

"نہیں —" وہ اپنے آپ سے ہی مخاطب رہی "وہ سو رہی ہے... میں... میں نیچے ...تو ممی اسی طرح — یہاں بیٹھی تھیں... اور میں... اُن کے سامنے بیٹھ کر اُن دنوں کی ...یا کرتی رہی جب پاپا زندہ تھے اور ہم ایسٹ میں تھے... اور تم جانتے ہو ناں کہ پاپا کے ...ڈ مکتی باہنی باسٹرڈز نے کیا کیا تھا... ممی... شی نیور لائکڈ ایسٹ پاکستان... وہاں کا موسم... ...زبان.. شی نیور لائکڈ دیم.. لیکن وہ اُس کے بغیر بھی نہیں رہ سکتی تھیں۔ عجیب ...ت اور محبت کا رشتہ تھا — میں باتیں کرتی رہی اور پھر مجھے احساس ہوا کہ — وہ ...ب نہیں دے رہیں اور میں اُٹھ کر اُن کے قریب گئی تو وہ سوئی ہوئی تھیں لیکن — ...انس نہیں لے رہی تھیں... میں نے کہا ممی... اور ان کے گال پر ہاتھ رکھا... تو... ...ان —" وہ زینے کی آخری سیڑھی سے اُتر کر اپنی جانب مسلسل دیکھتے مردان کے سینے ...آ لگی "شی از ڈیڈ مردان — اور مجھے پتہ نہیں تھا کہ کیا کرنا ہے — مجھے نہیں پتہ تھا ...ایک ڈیڈ باڈی کا کیا کرتے ہیں — اُسے لٹاتے ہیں یا اُسی حالت میں کرسی پر بیٹھے رہنے ...دیتے ہیں... اور اُس کے بعد اُسے — ڈیڈ باڈی کو کن رچوئلز کے ساتھ بری کرتے ہیں.. تم ...جانتے ہو مردان؟"

"تم فکر نہ کرو —"

"اور تم جانتے ہو مردان کہ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا تھا؟"

مردان نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے — اگر وہ وہی کچھ تھا جو اُس کا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے تو اُسے — عارفین کو کیسے علم ہوا کہ وہ جانتا ہے —

"تم فکر نہ کرو —" اُس نے پھر کہا۔

"مجھے میرے سوال کا جواب دینے میں تو کوئی قباحت نہیں —" اُس کی آنکھیں بے حد سرخ ہونے لگیں — "جب وہ کھڑکیاں توڑ کر اندر آئے تھے تو کیا تم جانتے ہو کہ اُنہوں نے... میرے ساتھ.. نازنین کے ساتھ کیا کیا — اُن باسٹرڈز نے —"

"وہاں پن پوائنٹ نہیں ہو رہا تھا کہ کون کس کے ساتھ کیا کر رہا ہے —"

"ہوز سائڈ آر یُو آن؟ —" عارفین جواب تک اس کے سینے پر سر رکھے بولے جا رہی تھی تڑپ کر الگ ہوئی "ہر سائڈ —" اس نے ایک الزام بھری انگلی شوبھا کی طرف کی اور شوبھا نے اُس انگلی کو خوفزدگی میں ایسے دیکھا جیسے اُس میں سے ابھی ایک تیر نکلے گا اور اُس کے بدن کے پار ہو جائے گا۔

"تم فکر نہ کرو عارفین — میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔"

"ممی نے کبھی اِسے پسند نہیں کیا تھا —" اُس کی ہسٹریکل اُنگلی نے پھر شوبھا کو نشانہ بنایا "کبھی نہیں... اس کو یہاں نہیں آنا چاہئے تھا — اِس — اِس کو۔"

"پھر تو مجھے بھی یہاں نہیں آنا چاہئے تھا —" مردان کی سابقہ نرمی اور دُکھ کے لہجے میں ایک ایسی تبدیلی آئی جو حیران کرتی تھی... وہ یکلخت پتھر ہوا اور درشتگی سے کہنے لگا "یہ... یہ میری بیٹی ہے عارفین — اینڈ کیپ یور کمنگ ماؤتھ شٹ —"

عارفین نے اپنے سر کو جھٹکا، جیسے اپنے آپ کو ایک مکمل بے اختیار خمار سے باہر لانا چاہتی ہو.. پھر پہلی بار اُس کی آنکھوں میں آنسو آئے اور اُس کے رخسار بھیگنے لگے۔ وہ ہچکیاں لیتی ہوئی آہستہ آہستہ چلتی شوبھا کے قریب ہوئی — شوبھا سہم چکی تھی۔ وہ پپڑیاں جمے زرد ہونٹوں کو جاں کنی کے عالم میں مبتلا تتلی کی طرح بے اختیار کھولتی اور بند کرتی تھی "آئی ایم سوری شوبھا..."

"نو پرابلم —" شوبھا نے مسکرانے کی ایک کوشش کی "نو پرابلم آپا عارفین۔"

"وہ کھڑکیاں توڑ کر اندر آئے تھے اس لیے... آئی ایم سوری شوبھا —"

"تم فکر نہ کرو عارفین —" مردان نے پھر کہا اور اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر

مُردہ جسم کی بے بسی کہ اُسے اپنے آپ پر اختیار نہیں رہتا اور وہ سب کچھ خارج
ہتا ہے اور اُس کی بُو خون کے رشتوں کو بھی ناگواری سے پرے دیکھنے پر مجبور کر دیتی

ظہیر الدین بابر کا گھر مرجع خلائق تھا۔
لیکن اُس شام وہ سب بہت بجھے بجھے تھے۔
اپنے اپنے صوابی، چکوال اور گوجر خان سے دور ایک ہوسٹائل اینوائرمنٹ سے پناہ
کے لیے وہ اِس گھر میں آتے تھے اور اس کی چوکھٹ پار کرتے ہی ہمیشہ "یو آر ویلکم
—" آنٹی بابر کی طرف سے اور — "اوہ ہیلو —" کانونٹ کے غیر ملکی لہجے میں
م اور نسوانی اور جنس سے بھرپور اور اس — اوہ ہیلو — کی "و" بہت طویل ہو

آرمی یا فوج — کتنا طاقت ور اور بظاہر ناقابلِ تسخیر لفظ ہے لیکن اس کے عناصر
ب کے سب انسان ہوتے ہیں.. ڈسپلن اُنہیں باندھے رکھتا ہے اور اُنہیں الگ الگ کر
دیکھا جائے تو وہ ایک عام انسان سے بھی زیادہ زود رنج ہوتے ہیں.. اُن میں کچھ ایسے
جو آنٹی بابر کے سامنے رو دیتے تھے کہ وہ اپنی ماؤں سے دُوری اِسی گھر میں آ کر زیادہ
اس کرتے تھے۔ وہ بلکتے ہوئے ڈبڈباتی آنکھوں والے بچے ہو جاتے تھے — اگلے روز
پارٹی کے اگلے روز اکثر ایسا ہوتا کہ وہ اپنی ماؤں کی ایسی ڈھلکی چھاتیوں والی بوڑھی
اؤں کو صرف Enemy Sir کی خطرناکی کی آڑ میں بے دریغ شوٹ کر دیتے —
لیکن اُس شام وہ سب بہت بجھے بجھے تھے۔
کیپٹن مردان کھلنا بیرکس کا اِنسی ڈینٹ ریلیٹ کر چکا تھا۔ وہ سب بھی اُن جیسے
ے اور وہ سب اس گھر کی عافیت اور رومانس کے باوجود بہت احتیاط سے اور چوکنے ہو
کن کھڑے کیے دِلوں میں پردیس کے خوف لیے، اپنے بچوں اور پیاروں سے دوبارہ
ی آس لیے جیسے رینگتے ہوئے کھلنا بیرکس کی طرف بڑھ رہے تھے —
شہتیروں سے بندھے... اپنے کچھ اعضا کے بغیر وہ خود بے بس پتلیوں کی طرح
لٹکتے تھے.. مردان ریلیٹ کر چکا تھا —

بابر صاحب اپنے گھر میں ایک آؤٹ سائڈر تھے۔ وہاں اُن کی بیگم اور بیٹیوں کا راج چلتا تھا۔ بہت کم لوگ ایک کونے میں مگن بیٹھے لیمپ کے نیچے چند نقشے پھیلائے... کبھی کبھار ایک گلاس میں سے مختصر گھونٹ بھرتے بابر صاحب کی جانب متوجہ ہوتے — صرف گھر میں داخل ہوتے وقت انہیں ایک رسمی "بابر صاحب آپ کیسے ہیں؟" کہہ کر پوری شام کے لیے فارغ کر دیا جاتا —

اُس شام بھی وہ کراچی سے روانہ کیے گئے اپنے آرکی ٹیکٹ کے ترمیم شدہ نقشے پر جھکے کسی راہداری کی اونچائی پرکھ رہے تھے کہ کیا یہاں وہ فانوس لٹک سکتا ہے جو وہ چیکوسلاویکیہ سے لائے تھے اور کسی غسل خانے کے طول و عرض پر غور کر رہے تھے کہ کیا امریکہ سے بمشکل شپ کی گئی سینٹری فٹنگز اس میں فٹ ہو جائیں گی۔ وہ لاتعلق ہو کر نقشے پر جھکے ہوئے تھے۔

عارفین اور نازنین بار بار ریڈیو گرام پر ریکارڈ بدل رہی تھیں لیکن کوئی بھی دھن اُنہیں سرت دینے میں معاون ثابت نہیں ہو رہی تھی۔

آنٹی بابر مغرب کی نماز پڑھ کر ڈرائنگ رُوم میں داخل ہوئیں تو اُنہوں نے فوراً اُس آزردگی اور خاموشی کو محسوس کر لیا جو آج اُن کے گھر کے اندر تک آ گئی تھی۔

"وَیل لیڈز چیئر اَپ —" اُنہوں نے عینک کے دبیز شیشوں کے پیچھے سے اُن لیڈز کو دیکھا جو پناہ کے لیے آئے تھے۔

لیڈز نے چیئر اَپ ہونے کی کوشش کی۔

"آنٹی بابر — اور عارفین نازنین آپ اپنے کان بند کر لیجئے پلیز — تو کیا آپ جانتی ہیں آنٹی چند فوجی افسروں میں جب یہ بحث ہو رہی تھی کہ کیا — میکنگ لو — مُحبت کرنے کا عمل سراسر مشقت ہے یا لطف ہے تو پاس سے گذرتے بیٹ مین نے کیا کہا تھا۔"

"شٹ اپ گل ریز —" مردان نے غصے سے کہا اور اپنی ہنسی کو بھی روکنے کی کوشش کی۔

"سوری —" گل ریز فوراً بیک آؤٹ کر گیا۔

"میں جانتی ہوں کہ بیٹ مین نے کیا کہا تھا — اُس نے کہا تھا کہ اگر اس عمل میں ذرہ بھر بھی مشقت ہوتی تو افسران یہ کام بھی ہم غریبوں سے ہی کرواتے — کیوں لیڈز؟"

لیڈز ذرا سے شاکڈ ہوئے اور پھر اُن کے اعصاب کا تناؤ ذرا سا کم ہوا اور وہ
لیکن لطف اُٹھاتے ہوئے ہنسنے لگے — آنٹی بابر بھی کمال کی خاتون تھیں۔
رفقائے۔ کیپٹن گل ریز مسلسل اپنے لرزتے ہاتھوں کو اپنے اختیار میں کرنے کی کوشش کر
رہا تھا۔ اُن میں لرزش اتنی تو نہ تھی کہ برابر میں بیٹھا کوئی شخص جان جاتا لیکن وہ خود
جانتا تھا کہ اُسے اختیار نہ تھا۔ وہ اُٹھا اور مردان کے پاس آ بیٹھا اور بہت آہستہ سے ایک
سرگوشی میں بولا "مردان سر... کیا تم ہدایات پر عمل کر رہے ہو؟"
مردان ایک مکمل پروفیشنل، ایک مکمل ملٹری مشین تھا اور وہ خوب جانتا تھا کہ
کن ہدایات لیکن اُس نے اپنے عزیز ترین دوست کیپٹن گل ریز خان کو بھی ایک ابرو
اٹھا کر سوالیہ نظروں سے دیکھا کہ کونسی ہدایات —
"جو شخص —" وہ اُسی سرگوشی میں ذرا احتیاط سے بولتا تھا "اپنے گھر پر.. بلکہ
اپنی [illegible] پر.. رکشا یا سائیکل پر قومی پرچم نہیں لگاتا — شوٹ دے باسٹرڈ —"
"ہاں —" مردان نے صرف اتنا کہا۔
"یار — شوٹ دے باسٹرڈ؟" اُس کے ہاتھ بہت زیادہ کانپے.. اور اُس نے انہیں
پھڑپھڑا کر آزاد ہو جانے والے کبوتر کی طرح قابو کیا۔
"ہاں —"
"لیکن دے آر مُسلمز، سَر —"
"سو وہاٹ کیپٹن —" مردان نے آواز کے غصے سے گل ریز کا گویا گریبان پکڑ

"کھلنا بیرکس کے بعد چیف اور کیا کہتا — کیا کرتا — وہ بالکل درست کہتا ہے
نکلنا چاہئے۔ بنگالی نہیں —"
"لیکن یار وہاٹ اباؤٹ پاکستان؟"
"ٹو ہیل وِد پاکستان —" وہ بڑبڑایا "گل ریز تم نے انہیں نہیں دیکھا —
[illegible] مادر زاد ننگے لٹکتے ہوئے" مردان بمشکل اپنی آواز کو قابو میں رکھتا تھا کہ پارٹی
کا ماحول خراب نہ ہو "تم نے نہیں دیکھا — کہ اِن باسٹرڈز نے کیا کیا ہمارے جوانوں کے
ساتھ — ہم فوج ہیں... لیکن تمہارا کیا خیال ہے کہ ہماری کوئی فیلنگ نہیں ہے — علی
[illegible] تھا — اور گل ریز میں نے..." اُس کی آواز بیٹھ گئی۔ وہ ایسے بولتا تھا جیسے

کنویں میں گرا ہوا ایک فاتر العقل شخص بولتا اور بڑبڑاتا ہے "میں اُن کے ساتھ ساتھ لٹکتے جسموں میں سے رِستے خون پر سے اپنے پاؤں بچاتا گردن ٹیڑھی کیے انہیں پہچانتا ہوا آگے بڑھتا تھا۔ یہ نہیں کہ میں اُن میں سے کسی ایک کو خاص طور پر پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں صرف تاریخ کے جبر کے مختلف چہرے دیکھ رہا تھا جن کے کان نہیں تھے، ناک نہیں تھے اور... میرے ذہن کے پردے پر اُس لمحے، جھکے ہوئے، ٹیڑھے چلتے ہوئے، اپنے پاؤں کو رستے خون سے بچاتے ہوئے جو تصویریں تھیں اُن میں یوم آزادی کے موقع پر سال ہا سال سے چھپنے والے قومی دانشوروں کے بصیرت افروز مضامین تھے کہ تحریک پاکستان کیا ہے —— ابھی تک اُنہیں یہ علم نہیں ہو سکا کہ تحریک پاکستان کیا ہے اور پاکستان کا مطلب کیا —— میں اُس مقدس مطلب کو جاننے کی کوشش میں سر ٹیڑھا کیے اُن مُردہ نوجوانوں کو نہیں تحریک پاکستان کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا —— جب میں نے علی شیر کو دیکھا ——"

اور یہی وہ precise لمحہ تھا جب ڈرائنگ رُوم میں مسز حسین داخل ہوئیں۔ اُن کے ہمراہ اُن کے خاوند مسٹر حسین بھی تھے لیکن تاریخ کے لیے وہ بے وجہ اور بے مقصد تھے اس لیے یہی وہ precise لمحہ تھا جب ڈرائنگ رُوم میں صرف مسز حسین داخل ہوئیں.. بیگم بابر "ہاؤ سویٹ آف یُو" کہتے ہوئے اُن سے لپٹ گئیں اور اُن کے وسیع وجود میں مسز حسین کا مختصر سراپا تقریباً روپوش ہو گیا۔

وہ بہت منی ایچر اور بہت نازک تھیں ——

اور اس کے باوجود اُن کے بدن کے مختلف حصے بہت الگ الگ اور بہت واضح دکھائی دیتے تھے۔ وہ ساڑھی میں تھیں لیکن اُنہیں بڑی آسانی سے ساڑھی سے جُدا کر کے دیکھنے میں دشواری نہیں ہوتی تھی۔ اُن کی آنکھیں بہت زندہ اور بہت تیرتی ہوئی لگتی تھیں اور اُن کی نظر ایک لاپرواہ تتلی کی طرح ہر نوجوان پر بیٹھتی اور اُسے فوراً پرکھ کر اُٹھتی ہوئی مردان پر بھی رُکی اور ایک ثانیے کے لیے ذرا دیر سے اُٹھی اور کسی اور چہرے کی جانب اُڑان کر گئی...

اُن کے آجانے سے رونق آگئی ——

کھلنا بیرکس یکسر ماضی کا حصہ بن گئیں ——

ڈِنر سرو ہوا تو اس ڈائننگ روم کی تاریخ میں پہلی بار توجہ عارفین اور نازنین نے

کسی اور طرف گئی۔
اور ڈنر کے بعد توجہ مردان کی طرف گئی اور تھوڑی دیر وہ تتلی وہیں پر ٹھہری۔
"مجھے یقین ہے کہ تم مسز حسین کو جانتے ہو ـــ" بیگم بابر ایک پرفیکٹ ہوسٹس طرح ایک نازک اور فیصلہ کن لمحے میں فوراً آگے آگئیں "ان کے خاوند سارداپولیس نگ کالج کے پرنسپل ہیں ـــ"
"جی بالکل ـــ" مردان سارداکانام پہلی بار سن رہا تھا۔
مسز حسین کی گہری سیاہ اور سیال آنکھیں اوپر اُٹھیں اور اُن کے اندھیرے اور ی پانی مردان کے چہرے میں پور پور جذب ہو کر اُسے بھگونے لگے ـــ وہ جانتی تھیں کہ رشت اور کٹھن چہرے والا نوجوان کپتان نہیں جانتا کہ ساردا کہاں ہے لیکن وہ وطن ے۔اپنے لاہور سے دور ہے اور اُس کے سامنے سیاہ آنکھوں والا ایک ایسا دل کو مٹھی لینے والا چہرہ ہے جو ہوسٹائل اینوائرمنٹ میں ایک معجزہ ہے اور اگر اس لمحے وہ یعنی مسز ین پیغمبری کا دعویٰ کر دے تو وہ پہلا شخص ہو گا جو ایمان لے آئے گا ـــ یہ تاریخ کا ن حالات کا جبر تھا جس میں مسز حسین ہمیشہ بالادست رہتی تھیں۔
بیگم بابر بہت آسانی سے اور آسائش سے بلکہ آسودگی سے ذرا فاصلے پر ہو گئیں اُن دونوں کو اُن کے حالات پر چھوڑ دیا۔
"ڈویُو رائڈ؟"
"جی ـــ" مردان چونک گیا۔
"کیا آپ کو گھڑ سواری پسند ہے ـــ گھوڑے پسند ہیں؟"
"پتہ نہیں ـــ" مردان گفتگو میں گُم ہو رہا تھا "کاکول کے بعد ـــ نہیں جی... یہ مہنگا شوق ہے۔"
"آپ کسی وقت اکیڈمی آئیں۔ ہمارے پاس بہت اعلیٰ نسل کے عربی گھوڑے ہم رائڈنگ کر سکتے ہیں۔"
مسٹر حسین دوسرے کونے میں ظہیر الدین بابر کے کراچی والے متوقع گھر کے نہار جھگڑے اتنے محو تھے کہ اُنہیں قطعی طور پر کوئی خبر نہ تھی کہ اُن کی بیگم صاحبہ کہاں اور کس کے ساتھ محوِ گفتگو ہیں۔ یہ بے خبری بہت احتیاط سے پرورش کی گئی تھی اور اسی بے خبری کا اعجاز تھا کہ وہ ایک انتہائی نامناسب انٹیلیکٹ اور شک بھری استعداد کے

باوجود اتنے اعلیٰ عہدے پر فائز ہوئے تھے۔

"کیا آپ رقص میں دلچسپی رکھتے ہیں کیپٹن؟" مسز حسین ایک ایسی بے توجگی مسلسل اُس کی طرف دیکھتی تھیں جو مکمل توجگی سے کہیں زیادہ چھید کرنے والی اور طاق تھی۔

"پتہ نہیں جی —" مردان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

"گولف؟"

"نہیں جی —"

وہ بہت دنوں سے مشرقی پاکستان میں تھا۔ اتنے دنوں سے کہ اُس کے کھردرے صحت مند بدن میں بہت کچھ جو اُسے مردانگی اور شہوت دیتا تھا جمع ہو چکا تھا اور زور مار — اور مسز حسین کی بظاہر بے توجگی اسی زور کو شہ دیتی تھی۔

اس نے اپنے آپ کو اس گرفت سے نکالنے کے لیے ایک نامناسب سوال کر

"آپ کے بچے ہیں؟"

"ہاں —" اور اُس کی ہاں میں بھی وہی شہ پوشیدہ تھی کہ — ہاں.. "تین ہیں... ابھی چھوٹے ہیں۔" وہ اُٹھیں اور سامنے بیٹھے ایک نوزائیدہ قسم کے لفٹین سے اُ کے شب و روز کا قصہ دریافت کرنے لگیں۔ اُس کے بعد وہ آنٹی بابر کے نیم رو ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے ہر شخص کے پاس گئیں اُسے کسی حد تک اسیر کیا لیکن مر ایک شکنجے میں آئے ہوئے پرندے کی بے بسی سے اُنہیں ہمہ وقت دیکھتا رہا۔ اُس نے سوچا بھی نہ تھا کہ کسی زن کا وجود یوں کسی باہوش شخص کو بے وقوف اور بے اختیار کر ہے۔ یہ صرف وجود تھا — اُس کا سحر تھا جو کشش رکھتا تھا اور پھر سیال آنکھیں تھیں کی رطوبت اور گرمی وہاں اثر کرتی تھی جہاں بے اختیاری ہوتی ہے...

مردان شرمندگی سے آنکھیں نیچی کیے بہت دیر تک بیٹھا رہا۔

باہر — گھنے اور دشمن درختوں کے ذخیرے تھے جن میں بہت کچھ پوشیدہ تھا بھی جنہوں نے کیپٹن علی شیر کی کمپنی کو آ لیا تھا — لیکن یہاں عافیت تھی — آنٹی کے گھر کے اندر چین تھا... تب اُسے احساس ہوا کہ عارفین بہت دیر سے ایک بند کھڑکی قریب بیٹھی باہر دیکھ رہی ہے حالانکہ باہر کچھ دکھائی نہیں دے رہا اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جب وہ کسی اور جانب دیکھتا ہے تو وہ فوراً اُس کی طرف دیکھ لیتی ہے... وہ اُٹھ کر

قریب جا بیٹھا۔ عارفین نے اُسے ایک ناراض نگاہ سے نوازا۔

"کھلنا بیرکس میرے حواس پر سوار تھیں ——" اُس نے توجیہہ پیش کی۔

"صرف کھلنا بیرکس؟"

"— Naturally"

وہ آنٹی حسین کی عادتوں کو جانتی تھی.. اُن کی سحر طرازی سے آگاہ تھی.. اسی لیے اُس نے پوچھا تھا کہ صرف کھلنا بیرکس —— عمر میں فرق تو بہت تھا لیکن آنٹی حسین کی ہی اینڈ سِیُوز کی عادت اسے بہت کھلتی تھی.. اب اُنھوں نے مردان کو پِک کر لیا تھا... کم از کم اگلے چند روز تک.. اُس نے آج صبح ممی سے بات کی تھی... ممی دوست تھیں اور وہ اُن کے ساتھ اپنی زندگی کا تقریباً ہر راز شیئر کر سکتی تھی.. جذبات اپنی جگہ —— ممی نے بہت کہا تھا —— مردان بہت ہینڈسم ہے لیکن اس کے علاوہ کیا ہے.. ایک مڈل کلاس کا لڑکا ہمیشہ احساسِ کمتری میں مبتلا ہو کر اپنی اپّر کلاس بیوی کی زندگی میں زہر بھرتا رہتا ہے۔ تم بے شک اُس کے ساتھ فلرٹ کرتی رہو لیکن عارفین ڈارلنگ میں تمہارے لیے ایک سُوٹ ایبل رشتہ تلاش کروں گی —— یقین رکھو۔

چنانچہ وہ اس وقت یقین رکھے ہوئے مردان سے بات کر رہی تھی۔

مسز حسین جدھر جاتی تھیں وہ بھی ایک یقین کے ساتھ جاتی تھیں کہ مردان اُن کو دیکھے جا رہا ہے۔ یہ یقین انہیں مردان ایسے درجنوں نوجوانوں کو زیر کرنے کے بعد خود بخود حاصل ہو گیا تھا۔

"مسز حسین ——" بیگم بابر نے ایک مرتبہ پھر محبت سے مغلوب ہو کر انہیں اپنی آغوش میں لے لیا۔

"آج اتنی خاموشی ہے —— پلیز کچھ بجائیں.. کیوں لیڈز؟"

لیڈز نے بے تحاشا تالیاں پیٹیں اور پھر یکدم خاموش ہو گئے۔

مسز حسین نے لاپروائی سے گرینڈ پیانو کا ڈھکن اُٹھا کر کیز کو چھیڑا.. اُن کے سُروں کو ملا اور پھر اُن کی لامبی اُنگلیاں کی بورڈ پر بے چینی اور کبھی پُرسکون پرندوں کی طرح بیٹھنے اور اُڑان کرنے لگیں..

اپریل لَو ——

اپریل کی مُحبّت صرف بہت نوخیز لوگوں کے لیے ہے..

اپریل کی محبت۔

ایسی بارشوں کی طرح ہے جو موسم سے پہلے آ جاتی ہیں۔

مسز حسین کی اُنگلیاں صرف پیانو کیز ہی پر اُٹھتی اور بیٹھتی نہیں تھیں بلکہ اس گرمائش کی رگوں پر بھی اُٹھتی اور بیٹھتی تھیں اور اُسے بے حال کرتی تھیں۔

بہت ساری دُھنوں اور کپتانوں اور میجروں کی پُرجوش تالیوں کے بعد جب وہ برخواست ہو رہی تھی تو وہ سب سے الگ ہو کر آنٹی بابر کی اجازت سے اوپر — سیڑھیاں طے کر کے لاؤنج کے باتھ رُوم میں اپنے آپ کو ہلکا کرنے کے لیے گیا۔

اس نے دروازہ کھولا اور بند کیا اور ایک کونے میں مسز حسین تھیں۔

"تمہیں واقعی رائڈنگ نہیں آتی؟" اُنہوں نے ایسے پوچھا جیسے وہ کسی ملازمت کے لیے انٹرویو کے لیے آیا ہو۔

اپریل لَو —

لیکن یہ تو دسمبر تھا —

اور اپریل تمام مہینوں میں سے ظالم ترین مہینہ ہے یا دسمبر —

نازنین دوہری نیم قوس والی سیڑھیوں سے اپنے آپ میں مگن اُترتی آ رہی تھی اور آنکھیں مل رہی تھی کہ وہ ابھی تک نیند میں تھی اور نیچے ہال میں بے وقت آواز سن کر وہ نیچے آ رہی تھی جب اُس نے مردان اور شوبھا کو اپنی جانب دیکھتے ہوئے پایا آپا عارفین بھی وہاں تھی... انہوں نے آنے سے پہلے فون پر اطلاع تو نہیں کی تھی...

نازنین آخری سیڑھی پر کھڑی عارفین کے پاس رُکی۔ اُسے ایک نظر دیکھا اور مردان اور شوبھا اور آرام کرسی پر فروکش ممی کے برابر میں سے گذر کر لان پر کھلتی وِنڈوز کی طرف گئی اور پردے دھکیل کر پیچھے کرنے لگی۔

"نہیں —" عارفین آخری سیڑھی سے اتر کر فوراً اُس کے پاس پہنچ گئی "پردے مت ہٹاؤ۔"

"کیوں؟"

"ممی — سو رہی ہیں"

"پھر سو گئی ہیں —"

ٹوٹے ہوئے رنگین شیشوں سے پرے جو آسمان دکھتا تھا اُس میں رنگ برنگے
ے اور پتنگیں نیلاہٹ میں تیکھی بل کھاتی کشتیوں کی طرح — نہیں تیرتے تھے...
باہر بلیک آؤٹ تھا۔
رنگین شیشوں سے پرے شہر لاہور کے بُرج منارے اور ممٹیاں اور کوٹھے تاریکی
لپیٹ میں خاموش اور چپ ایسے تھے جیسے اُن کے مُنہ کے آگے جنگ کی اُنگلی رکھ کر کہا
ہے کہ بس چُپ... بولنا نہیں۔
دارو عام طوائف تو نہیں تھی... مجرا تو نہیں کرتی تھی... صرف ایک شخص کے
ناچتی تھی۔ وُہ — نوراں — اُس کمرے میں یوں چلتی تھی جیسے ابھی رُکے گی اور پھر
بالکونی کی طرف دیکھے گی اور بازو اٹھا کر اُن کا گھیرا بنا کر گردن لچکاتے ہوئے ذرا کولہوں
ایک حرکت دے کر ناچنے لگے گی۔ لیکن وُہ دکھتی نہ تھی۔ باہر ستمبر 65ء کا بلیک آؤٹ

ابھی اس کے ہونٹ مرجھا کر دانتوں کے خلا میں لٹکتے نہ تھے۔ اس کی دعوتی
آنکھوں کے گرد کوّے کے سیاہ پنجوں ایسے نشان ابھی واضح نہ تھے — پھر بھی وہ اُس سے
عمر میں بہت بڑی تھی۔
ابھی اُس لال حویلی میں سریش اور گرگابیوں کا کاروبار شروع نہیں ہو رہا تھا اگرچہ
بڑا فوارہ اب بھی خشک تھا لیکن اس کے تالاب میں جرمن سریش کے خالی ڈبے۔
لیمروں کے ٹفن کیریئر اور گرگابیوں کے ڈھیر نہ تھے۔
انگلستان سے واپسی پر وہ ایک بے کیف زندگی بسر کر رہا تھا۔ بیکار شب و روز نے
سے چڑچڑا بنا دیا تھا... وہ اپنے وطن کو سمجھ نہیں سکتا تھا کہ اُس کی سمجھ کے دھارے
اب کے رکھ رکھاؤ اور اخلاقیات سے چھوٹتے تھے... وہ ایسا رنگا گیا تھا کہ اُس کا رنگ اترتا
تھا۔ اس کے لیے وقت درکار تھا... گوجرانوالہ کی ننگ مل میں مختصر ملازمت کے بعد وہ

یکدم فارغ اور بیکار ہو گیا تھا۔ ایک گرد آلود گھٹن تھی جس کی اُسے عادت نہیں ہو پا رہی تھی — انہی دنوں اُس کے بچپن کے ایک دوست بلاول بٹ کا فون آیا تھا "اوئے مشاہدی۔ اوئے بے وفا — گجرات سے لاہور آیا تھا کچھ قالین اور دریاں فروخت کرنے — لاہور ہوٹل کے کمرہ نمبر21 میں انتظار کر رہا ہوں — آجا"

مشاہد لاہور ہوٹل کے کمرہ نمبر21 میں داخل ہوا تو بلاول بٹ عصر کی نماز کی نیت کر رہا تھا... اُس نے کن اکھیوں سے اسے بیٹھنے کے لیے کہا اور پھر مکمل خشوع و خضوع سے نماز کی ادائیگی میں مشغول ہو گیا... سلام پھیرنے کے بعد وہ اٹھا جانماز کو جھٹک کر تہہ کیا اور پھر سر سے گول ٹوپی اُتار کر کہنے لگا — "غسل خانے کے ٹب میں بیئر کی بوتلیں برف میں لگی ہیں — پی لو — یا نہالو"

باہر میکلوڈ روڈ پر شام کی آمد سے ایک مختلف قسم کی زندگی وجود میں آ رہی تھی۔

ایک بہت سجیلا جھالروں والا تانگہ کہ جس کا گھوڑا اتراتا ہوا چلتا تھا اُن کے قریب آیا۔ بلاول بٹ جیسے اُسی کا منتظر تھا۔ پچھلی نشست پر براجمان ہوا مشاہد کو برابر میں مقیم کیا اور کوچوان کی طرف دیکھے بغیر سگرٹ کا ایک طویل کش کھینچتا ہوا کہنے لگا "چل بھئی؟"

تانگہ چلنے لگا۔ گھوڑا سر ہلاتا ہوا۔ پھندنے اچھالتا ہوا اور گلے میں بندھی گھنٹیوں کے ترنم سے لطف اندوز ہوتا چلنے لگا جیسے وُہ خوب جانتا تھا کہ کہاں جانا ہے اور رُک کر کہاں جانا تھا —

ہارمونیم کے سُروں سے چھیڑ چھاڑ... طبلے کی گہری تھاپ اور آوازیں۔ روشنیوں میں بھیگتی دل کو خوشی دینے والی مترنم اور بنی ٹھنی آوازیں۔ لوگ جیسے نمائش گاہ میں چلے جاتے تھے اوپر دیکھتے ہوئے جہاں وُہ تھیں۔ بیٹھکوں کے دروازے کھلے تھے اور اُن کے اندر کے منظر روشن دکھائی دیتے تھے۔ جونہی کوئی تماش بین اندر جاتا تو دروازوں کے کواڑ بند ہونے لگتے اور موتیے کے پھول اور گجرے۔ عطر کے توُنبے اور قربان جایئے کی صدا گئے؟

بلاول بٹ اس علاقے میں یوں چلتا تھا جیسے اپنے حلقۂ انتخاب میں گھوم رہا ہو — ہر جانب سے بٹ صاحب سلاما لیکم — بٹ صاحب آپ نے ابھی تک وہ دین محمد مجسٹریٹ والا کام نہیں ناں کیا... بٹ صاحب بڑی بے رونقی کر دیتے ہو اتنے دن جدائی ڈال کے — ہم تو مرنے والے تھے شکر ہے چہرہ دکھائی دیا ہے — بٹ صاحب بچے کو آرام

کول میں داخل کرا دیں جان... اِسے اپنا ہی بچہ سمجھیں — ہاں ضروری ہے کہ فارم میں بچے کے باپ کا نام بھی درج ہو —

دو تین پسندیدہ کوٹھوں پر ایک ایک گانا سُن کر۔ بائی جی پر مناسب مالیت کے نوٹ نچاور کر کے بلاول بٹ کو پہلی بار احساس ہوا کہ اس نے یہاں آنے کے بعد یوں بھی پہلی بار مشاہد کی طرف دیکھا تھا کہ یہ — اُس کا شعبہ نہیں... اور وہ اس کارِ خیر میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا —

واپسی پر بھی وہی تانگہ منتظر تھا۔ بلاول بٹ نے پچھلی نشست پر اپنے آپ کو آرائدہ کیا اور پھر اتنا ہی کہا کہ — چل بھئی۔

لوہاری دروازے کے اندر رات کے اُس پہر صرف حاجی نہاری والے کے ملازم دیگچے صاف کر رہے تھے۔ مٹھائی کی ایک دوکان کے باہر صرف ایک بلب روشن تھا اور چند لوگ اُس کے نیچے بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ تنگ گلیوں میں جب تانگہ چلتا تو اُن کو بھر دیتا اور گھنٹیوں کی آواز دو چند ہو کر اوپر اٹھتی اور جھروکوں اور بالکونیوں میں جذب ہو کر مدھم پڑ جاتی...

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"مشاہدی یار تجھے ایک ٹھوئیں ورگی رَن سے ملاتے ہیں۔ ہے تو ذرا وڈیری پر کیا نخرہ ہے.. اور کیا قرینہ ہے اور قرینہ ایسا جانِ من کہ روح کھینچ لیتی ہے —"

"تم جانتے ہو کہ میں —"

"اوئے تو چل تو سہی —"

پیچ دار اندھیری سیڑھیوں پر اندازے اور احتیاط سے قدم رکھتے اوپر جاتے تھے۔ گلی میں خاموشی تھی اور کسی کو شک نہ ہو سکتا تھا کہ وہ اندھیری سیڑھیوں پر اندازے اور احتیاط سے قدم رکھتے اوپر جا رہے ہیں۔

اوپر بھی تاریکی تھی اور اُس میں ایک شاندار عمارت کی پرچھائیاں تھیں۔ دالان۔ ایک بہت بڑے صحن پر کھلتی درجنوں کھڑکیاں۔ اندھیرے میں بھی کبھی کبھار جگنوؤں کی طرح شیشے لَو دے جاتے اور نیچے صحن میں ایک فوارہ بند پڑا تھا۔

اُسے انہوں نے سوتے میں جگایا — بسم اللہ — باؤ بلاول بٹ جی۔ بسم اللہ۔ نُورا۔ ذرا تماش بینی والا کمرہ کھول کر ہمارے یار کو وہاں بٹھاؤ جہاں راجے